دو یادگارنامے

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی طرف سے اِس غیر سرکاری ادارے کے بانی ، پانچویں صدرِ جمہوریہ ہند فخرالدین علی احمد (م ۱۹۷۷ء) کی یاد میں دو ضخیم یادگارنامے شائع ہوئے ہیں جن پر سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء درج ہے - ایک اردو " یادگار نامہ فخرالدین علی احمد " ہے ، دوسرا انگریزی " فخرالدین علی احمد والیوم " دونوں اس پائے کے وقیع علمی کارنامے ہیں کہ ان کے مَشتملات کا علم ہمارے قارئین کو ہونا چاہیے کہ بیشتر کسی نہ کسی پہلو سے وہ اسلامیان برصغیر کی تاریخ ، ادب اور ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں- چنانچہ دونوں کے مشتملات کا تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے-

ا- یادگار نامہ فخرالدین علی احمد:

اس کے مرتّبین تین بلند پایہ فضلاء ہیں ، پروفیسر نذیر احمد ، پروفیسر مختار الدین احمد اور ڈاکٹر شریف حسین قاسمی - کتاب ۲۶ مقالات و مضامین پر مشتمل ہے- پیش لفظ پروفیسر نذیر احمد کے قلم سے ہے- ابتدائی تین مضامین فخرالدین علی احمد مرحوم کے سوانح سے متعلق ہیں - والدہ کی طرف سے ان کا تعلق غالب سے تھا- اِس تعلق کی اعلیٰ ترین یادگار غالب انسٹی ٹیوٹ جیسا وقیع ادارہ ہے- ایک مضمون سلطان حیدر جوش پر بھی ہے جو اردو افسانے کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ان کی صاحب زادی بیگم عابدہ احمد ، فخرالدین علی احمد کی بیگم ہیں- اس لحاظ سے سلطان حیدر جوش والے مضمون کو بھی سوانحی حصے کا ایک جزو سمجھا جا سکتا ہے- باقی ۲۲ مقالات و مضامین علمی و تحقیقی نوعیت کے ہیں اور بلا شبہہ بلند معیار کے ہیں- ان میں سے چند کا ذکر بطور خاص کیا جاتا ہے-

ایک مضمون بعنوان " انڈیا ونس فریڈم " پروفیسر شمیم حنفی کا ہے ، دل چسپ اور قابلِ مطالعہ مضمون ہے جس میں تحسین کے ساتھ تنقید کی جھلکیاں موجود ہیں - صاحبِ مضمون کے نزدیک کتابِ مذکور (انڈیا ونس فریلام) ایک ایسے تنہا اور دل گرفتہ انسان کی کہانی ہے جو ہجوم میں رہتے ہوئے بھی اس سے الگ تھلگ رہا- ایک اور قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب کے دوران ابوالکلام آزاد اُس آزادی سے مکمل طور پر محروم رہے جو اُنھیں اپنی دوسری کتابوں کو لکھتے وقت حاصل رہی تھی ، سبب یہ کہ ہمایوں کبیر مولانا ابوالکلام آزاد کی آراء سے اتفاق و تائید کے ساتھ ساتھ ، اختلاف اور بیانات کی تردید کی طاقت بھی رکھتے تھے-

ایک اور قابلِ مطالعہ مضمون پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ہے ، جس کا عنوان ہے

" انیسویں صدی میں دہلی کا علمی اور تہذیبی ماحول "- اس موضوع پر قلم تو اور فضلاء نے بھی اٹھایا ہے لیکن ایک بلند پایہ مؤرخ کی رائے اپنا ایک وزن رکھتی ہے - مقالہ ایک تاریخی غلط فہمی کو دور کرنے کی کامیاب کوشش ہے ، یعنی یہ کہ سمجھا جانے لگا ہے کہ سیاسی اور علمی زوال دوش بدوش چلتے ہیں ، جب کہ مقالہ نگار کے بقول تاریخ میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں جب سیاسی زوال و انتشار کے روح فرسا حالات میں انفرادی صلاحیتوں نے ماحول کے آگے سپر نہیں ڈالی ہے بلکہ فکر و نظر کی دنیا آباد کر دی ہے- وہ یہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ " عروج میں زوال اور زوال میں عروج کے عناصر خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں-" انیسویں صدی میں دہلی کے علمی اور تہذیبی ماحول کا جائزہ انھوں نے انھی مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں لیا ہے- انھوں نے دورانِ مطالعہ اپنی اس رائے کا بخوبی اظہار کیا ہے کہ حالات کا عمل اور ردعمل انسان میں مقاومت ، مدافعت ، مصلحت کی مختلف کیفیتیں پیدا کرتا ہے-

پروفیسر مختارالدین احمد کا فاضلانہ مقالہ " امیر قابوس بن وشمگیر " پر ہے جو بنو زیار سے تھا - جرجان اور آس پاس کے بلاد کی سلطنت ، اس سلطان کے چچا ابوالحاج مرد آویج بن زیار نے ۳۱۹ ھ میں قائم کی تھی- یہ حکومت کوئی ڈیڑھ سو برس قائم رہی- مستند مصنفین و مؤرخین کی آراء اور ایک جغرافیائی نقشے کی مدد سے مقالہ نگار نے عمدہ طور پر دادِ تحقیق دی ہے اور امیر قابوس کے احوال و آثار کا بصیرت افروز تعارف کرایا ہے- مقالے کے آخر میں کتابیات بھی ہے جو ۱۷ مصادر و منابع کو شامل ہے-

اس کے بعد ایک اور فاضلانہ مقالہ پروفیسر نذیر احمد کا ہے جس میں ایک نادر مجموعے کا تعارف پیش کیا گیا ہے- اس مجموعے میں جہانگشای جوینی کی تین جلدوں کے علاوہ حسب ذیل تین رسائل بھی شامل ہیں:

۱- رسالۂ مختصری از نصیرالدین طوسی در شرحِ بغداد بہ ذیل جہانگشا-

۲- رسالہ تسلیۃ الاخوان از تالیفاتِ عطا ملک جوینی مصنف جہانگشا-

۳- اختصارِ راحۃ الصدورِ راوندی -

فاضل مقالہ نگار کی صراحت کے مطابق اس مجموعے کے دو قلمی نسخے ملتے ہیں، ایک نسخہ پیرس میں ہے ، دوسرا نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے کتاب خانے میں سبحان اللہ کلیکشن میں - تعارف کے ذیل میں ، علی گڑھ والے نسخے کی تفصیلات دوسرے نسخے سے تقابل اور سب متعلقہ مباحث کے ساتھ مقالے میں آگئی ہیں جیسا کہ صاحب مقالہ جیسے بلند پایہ فاضل سے توقع کی جا سکتی تھی-

مقالے کے آخر میں پروفیسر نذیر احمد نے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ

ہندوستان کے طول و عرض میں سیکڑوں چھوٹے بڑے قلمی کتب خانے موجود ہیں جن میں ہزاروں نادر مخطوطات شامل ہیں۔ ان کتاب خانوں میں بعض سرکاری ہیں اور کسی نہ کسی ادارے سے منسلک ہیں، مگر خاصی تعداد میں شخصی کتاب خانے بھی موجود ہیں جو عموماً لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ ایک بڑے منصوبے کے ساتھ ان کی فہرست سازی کی جانی چاہیے۔ ہمارے خیال میں یہی صورت پاکستان میں بھی درپیش ہے۔ دونوں مملکتوں کے اہلِ علم حضرات کا فرض ہے کہ اس متاعِ عزیز کی طرف اہلِ ملک اور اپنی اپنی حکومتوں کی توجہ مبذول کرائیں۔

اس مقالے کے آخر میں زیرِ تعارف قلمی مجموعے کے آخری صفحے کا عکس بھی شامل ہے جس میں تاریخِ کتابت ۹۹۸ھ ہے اور مقامِ کتابت قبۃ الاسلام لکھ دوج ہے۔

پروفیسر نذیر احمد کا ایک اور مقالہ بھی شامل ہے جس کا "عنوان شیخ ابواسحاق کا زرونی" ہے۔ یہ بزرگ چوتھی پانچویں صدی ہجری کے ایک مقبول عارف تھے۔

ایک اور قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ مقالہ نیشنل میوزیم نئی دہلی کی ایک اہم فارسی بیاض پر ہے جس کا تعارف پروفیسر سید امیر حسن عابدی نے "بیاضِ کرمان" کے نام سے کرایا ہے۔ یہ بیاض ۸۲۶ھ اور ۸۷۶ھ کے مابین کرمان میں لکھی گئی تھی۔ مقالے کے آخر میں بیاض کے تین صفحات کے عکس بھی شامل ہیں۔

ایک اور نہایت اہم اور قابلِ قدر مقالہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کا ہے جس میں انھوں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۲ھ) سے بغلط منسوب فارسی دیوان کو موضوع بنایا ہے اور داخلی شواہد کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ یہ "دیوانِ قطب الدین" کسی اور قطب الدین کا ہے، نہ کہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا۔ یہ مقالہ تحقیقِ منسوبات کی ایک اور نہایت کامیاب مثال ہے جو ہمارے کئی بلند پایہ فضلاء کے معرکہ آراء مقالات کے بعد سامنے آئی ہے۔ حافظ محمود خاں شیرانی کا اختصاص اس میدان میں ظاہر و باہر ہے۔ حسنِ اتفاق سے اسی موضوع "دیوان قطب الدین" پر ڈاکٹر نذیر احمد کا ایک مطبوعہ فاضلانہ مقالہ بھی ہے جو معارف میں چھپا تھا، اور جس کا علم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کو بعد میں ہوا۔ اس طرح وقت کے دو بہترین فضلائے گرامی نے اپنے اپنے طور پر جو آزادانہ داد تحقیق ایک ہی منسوب دیوان پر دی ہے، اور اپنے اپنے جداگانہ دلائل دیے ہیں، ہماری تحسین سے مستغنی ہیں۔ دونوں مقالے طالبانِ تحقیق کے لیے اس دور میں ایک روشن مثال پیش کرتے ہیں کہ منسوبات کی تحقیق کس طور پر کی جانی چاہیے۔

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی کا مقالہ بھی قابلِ توجہ ہے جنھوں نے رسالہ منہاج الصدر کو متعارف کرایا ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانۂ ناصریہ لکھنؤ میں محفوظ ہے۔ اس کے مصنف صدرالدین محمد خاں فائز ہیں جو اپنے مطبوعہ اردو دیوان کی وجہ سے بخوبی پہچانے جا سکتے

ہیں- ان کا اردو دیوان پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا- منہاج الصدر میں صدرالدین محمد خاں فائز دہلوی نے اپنے جدِّامجد امیرالامراء علی مردان خاں اور ان کے خاندان کے حالات لکھے ہیں - مقالہ مفید معلومات سے پُر ہے اور شاہجہانی دور کے ایک منصب دار کے حوالے سے اہم تاریخی شواہد کا حامل ہے- بر سبیلِ تذکرہ یہاں یہ صراحت بے جا نہ ہو گی کہ صدرالدین محمد خاں فائز دہلوی کے فارسی دیوان کا ایک قلمی نسخہ فاضل گرامی ڈاکٹر وحید قریشی کے خاندانی ذخیرۂ مخطوطات میں موجود ہے جو ایک والیِ سندھ کی مُہر سے مزیّن ہے - فائز کے اردو دیوان کی طرح اس فارسی دیوان کو چھپنا اور منظرِعام پر لایا جانا چاہیے-

ایک قابلِ توجہ مقالہ "چہرہ نویسی" پر بھی ہے جس کے لکھنے والے ڈاکٹر نیّر مسعود ہیں- اس میں تین ماخذوں کی مدد سے چہرہ نویسی سے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں ، یعنی

۱- سیاق نامہ (فارسی) از منشی نند رام (نول کشور ، لکھنؤ ، ۱۸۷۹ء)

۲- انشائے دل کشا (فارسی) از سیّد نثار علی بخاری بریلوی (فخرالمطابع ، مقام ندارد ، ۱۲۷۰ھ)

۳- مکتب نامہ مسمّی بہ علم الحساب (اردو) بہ اہتمام عبدالرحمٰن ابن حاجی محمد روشن خاں بارِ دوم ، مطبع نظامی کانپور ، ۱۲۷۹ھ)

چہرہ نویسی در حقیقت سیاقہ نویسی کا ایک جزو ہے- اس ذیل کی ایک مستند کتاب " سیاق دکن " مؤلفہ نواب عزیز جنگ (عزیز المطابع ، حیدرآباد دکن ، ۱۳۱۳ ف) بھی ہے جس کی فصلِ پنجم بعنوان متفرقات کے باب دوم میں حلیہ نویسی کے اشکال بالاجمال درج ہیں - تسلیم کرنا چاہیے کہ چہرہ نویسی کی تفصیلات کو مقالہ نگار نے زیادہ خوبی کے ساتھ درج کیا ہے- اس طرح سیاقہ نویسی کا ایک فراموش باب پھر تازہ ہو گیا ہے - اس کی باقیات کی نشان دہی کی ، وہ جو کچھ بھی اب تک چلی آتی ہیں ، گنجائش موجود ہے-

دیگر مقالات بھی عمدہ اور قابلِ مطالعہ ہیں- ان سب مقالات کے لکھنے والے اس دور کے نامور فضلاء ہیں اور سب نے اپنے اپنے خاص میدانوں میں داد تحقیق دی ہے- اس طرح " یادگار نامہ فخرالدین احمد " کی صورت میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے ایک اچھا علمی تحفہ اردو داں طبقے کو پیش کیا ہے- اس کارنامے پر حضراتِ مرتبین ، انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹیز اور یادگار نامہ سب کمیٹی کے اراکین کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے- فی الحقیقت یادگار نامے اسی اہتمام اور اعلیٰ معیار کے ساتھ چھپنے چاہییں تاکہ ان یادگار ناموں کی علمی روایت بھی اسی طرح مستحکم ہو جائے جیسا کہ اردو میں نذور علمی کی روایت مستحکم ہو چکی ہے- یادگارنامے نذورِ علمی ہی کے قبیل کی چیز ہیں ، فرق ہے تو یہ کہ نذور علمی میں کسی بلند پایہ شخصیت کے کارہائے نمایاں کو اس کی زندگی